علامہ صاحب رحمہ اللہ جمہوریت کو اسلام کے نظام شورائیت کی تعبیر ضرور قرار دیتے تھے مگر وہ اس فکر کے بانی نہیں تھے ۔ ماضی بعید کی بات تو کسی اور شمارے میں کریں گے اس شمارے میں مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے دور میں تیار کئے جانے والے دستور کے مقدمے کا وہ حصہ نشر کیا جارہا ہے جو جمہوریت کی حمایت میں تحریر کیا گیا تھا ۔ واضح رہے اس وقت مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ جماعت کے امیر تھے اور مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ جماعت کے ناظم اعلیٰ اور تمام اہل حدیث حلقوں کو ان کی امارت و نظامت اور ان کے تیار کردہ دستور کی بالاتفاق حمایت حاصل تھی ۔ اسی لحاظ سے ایک دور میں جمہوری نظام کے اسلامی ہونے پر گویا کم از کم پاکستان کے تمام اہل حدیث حلقوں اجماع رہا ہے ۔ ذیل میں ہم وہ مختصر مگر جامع تحریر شائع کر رہے ہیں جسے مولانا غزنوی اور مولانا سلفی رحمھما اللہ کے دور میں تمام اہل حدیث حضرات کی حمایت حاصل تھی ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ تحریر مولانا محمد اسماعیل سلفی ؒ کی لکھی ہوئی ہے

ادارہ

قرآن کریم میں اہل ایمان کے امتیازی اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوہ وامرہم شوری بینھم و مما رزقنھم ینفقون (شوری ۴۲ / ۳۸)

اور اہل ایمان کے یہ اوصاف ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا اور نماز کے پابند ہیں ۔ اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں اور وہ ہمارے دئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں ۔

اقامت نماز اور ادائے صدقات کے درمیان مسلمانوں کی شورائی زندگی کا ذکر اس کی عظمت اور اہمیت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ' اسلام میں شورائی زندگی کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔

فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر' فاذا عزمت فتوكل على الله (آل عمران ر ۱۵۸)

غزوہ احد میں جن سے غلطی سرزد ہوئی ' آپ ان سے درگذر کیجئے اور ان کے لئے بخشش کی دعا مانگئے اور مسلمانوں کے اہم کاموں میں ان سے مشورہ جاری رکھئے اور مشورہ کے بعد جب ایک کام کا قصد کرلیں تو اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ رکھیں۔

اس آیت کا تعلق غزوہ احد سے ہے۔ غزوہ احد سے پہلے آپ ؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر۔ آپ ؐ اور اکابر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے لیکن اکثر صحابہؓ (جن میں اکثریت نوجوانوں اور ایسے شائقین جہاد کی تھی جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے) کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

فاشار جمهورهم بالخروج اليهم فخرج اليهم (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

آپ نے اکثریت کے مشورہ کے مطابق عمل کیا۔ غزوہ احد میں بعض صحابہ کی غلطی سے تھوڑے عرصہ کے لئے شکست ہوئی ' لیکن پھر وہ شکست اللہ کے فضل و کرم سے فتح میں تبدیل ہو گئی ۔ اس موقع پر اکثریت کے فیصلے کے مطابق (اپنی رائے کے خلاف) عمل کرنے سے جو تکلیف پہنچی ' مبادا کہ آپ آئندہ ان سے مشورہ کرنا ترک کردیں ' یہ ارشاد فرمایا کہ میدان جہاد میں بعض صحابہؓ سے جو غلطی سرزد ہوئی ' وہ آپ ؐ معاف فرمادیں اور مشورہ کا نظام قائم رکھیں ۔ جس کا ماحصل یہ ہوا کہ اکثریت اگر فیصلہ میں غلطی بھی کرے تب بھی وہ حق

رائے دہی سے محروم نہیں ہو جاتی۔ شورائی نظام ہر حالت میں قائم رہنا چاہئے۔

حضرت علی سے دریافت کیا گیا کہ آیہ " فاذا عزمت فتوکل علی اللہ " میں " عزم " سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا "مشاورہ اہل الرای تم اتباعھم " (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۲۷۷)

یعنی ارباب رائے سے مشورہ کرنا اور اس کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا۔

حجۃ الاسلام ابوبکر جصاص الرازی فرماتے ہیں:

" وفی ذکر العزیمہ عقیب المشورہ دلالہ علی انھا صدرت عن المشورہ وان لم یکن فیھا نص "

یعنی آیہ کریمہ میں مشورہ کے بعد عزم کا ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عزم مشورہ سے حاصل ہوا ہے۔ اگر چہ اس مسئلہ یا معاملہ میں کوئی نص موجود نہ تھی (احکام القرآن جلد دوم صفحہ ۵۰)۔

اور صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں:

ای فاذا عزمت بعد المشاورہ فی الامر علی امضاء ما ترجحہ الشوری واعدت لہ عدتہ فتوکل عل اللہ فی امضاۂ (تفسیر المنار جلد ۴ صفحہ ۲۰۵)

یعنی جب آپ مشورہ کے بعد اس کام کے کرنے کا عزم کرلیں جسے شوری نے پسند کیا ہے اور آپ نے اس کام کے لئے ظاہری تیاری بھی کرلی ہے تو بھی اس فیصلہ کے نفاذ کے لئے اللہ پر توکل کریں۔ یعنی اپنی قوت اور تدابیر پر بھروسہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہر حالت میں بھروسہ اللہ سبحانہ وتعالٰی کی ذات پر ہی ہونا چاہئے اور یہی معنی ہے لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم کا۔

اور امام قرطبی جامع احکام القرآن میں آیہ کریمہ " فاذا عزمت فتوکل علی اللہ " کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ عربی کے الفاظ عزم اور حزم دو الگ الگ مفہوم ادا کرتے ہیں۔ مشورہ تو حزم ہے اور مشورہ کے مطابق کام کا قصد کرنا عزم ہے۔

فالحزم جودہ النظر فی الامر و تنقیحہ والحذر من الخطا فیہ والعزم قصد الامضاء واللہ تعالی

یقول وشاورھم فی الامرفاذا عزمت " فالمشورہ و ماکان فی معناہا بعد الحزم ' والعرب تقول " قد احزم لو اعزم "

یعنی حزم کا معنی ہے 'کسی معاملہ کو خوب اچھی طرح جانچنا پرکھنا اور غلط فیصلہ سے بچنے کی کوشش کرنا ' اور " عزم " کا معنی ہے اس کام کے کرگزرنے کا قصد کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ آپ مسلمانوں سے مشورہ کیجئے اور مشورہ کے بعد جب اس کام کے کرنے کا عزم کریں تواللہ پر توکل اور بھروسہ کریں۔ پس یہ مشورہ اور شوریٰ تو ہے حزم اور اس کے بعد اس کام کے کرنے کا قصد یہ عزم ہے۔ عرب یوں کہا کرتے ہیں ' پہلے حزم اور پھر عزم " (الجامع لاحکام القرآن جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ امیر کے لئے مشورہ حاصل کرنا تو ضروری ہے لیکن امیر مجلس شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں۔ وہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ کو مسترد کر سکتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ابوبکر **جصاص** رازی ' امام قرطبی اور تفسیر منار کی عبارات جو نقل کی گئی ہیں وہ اس سند کی وضاحت کے لئے کافی ہیں لیکن علامہ ابوبکر رازی کی کتاب احکام القرآن میں سے ایک اقتباس نقل کرنا مزید وضاحت کے لئے از بس مفید ثابت ہو گا۔ مشورہ کے فوائد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا صرف ان کی دلداری کے لئے تھا' نہ یہ کہ اس کے مطابق عمل بھی کیا جائے اور مقصد صرف ان کی قدر و عظمت بڑھانا تھا تاکہ آنے والے لوگ مشورہ کی عظمت کو سمجھیں۔ تو صحیح نہیں فرماتے ہیں:

لانہ لو کان معلوما عندھم انھم اذا استفرغوا مجھودھم فی استنباط ما شوروا فیہ وصواب الرای فیما سئلوا عنہ ثم لم یکن ذلک معمولا علیہ ولا متلقی منہ بالقبول بوجہ لم یکن فی ذلک تطییب لنفوسھم ولا رفع لاقدارھم بل فیہ ایحاشھم واعلامھم بان آرائھم غیر مقبولہ ولا معمول

علیہا فہذا تاویل ساقط لا معنی لہ (احکام القرآن جلد ۲، صفحہ ۴۹)

اگر صحابہ کرام کو معلوم ہوتا کہ مشورہ طلب معاملہ میں ان کا استنباط اور صحیح رائے قائم کرنے کے لئے ان کی مجتہدانہ کوشش کے مطابق عمل نہ ہو گا اور نہ وہ مستحق قبول ہو گی تو اس میں قطعاً صحابہ کرام کی دلداری کا پہلو نہیں نکلتا۔ اور نہ اس میں ان کی قدر و عظمت بڑھانے کی کوئی صورت بنتی ہے، بلکہ یہ صورت تو ایسی ہے کہ اس سے ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کی رائے کو قبولیت حاصل نہیں اور نہ وہ مستحق عمل ہے یہ صورت دلداری کا باعث تو نہیں، البتہ ان کو متوحش کر دینے والی ہوتی۔ پس یہ تاویل بے معنی اور پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔

اس لئے یہ خیال کہ امیر کے لئے مشورہ حاصل کرنا تو ضروری ہے لیکن امیر جماعت مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے پابند نہیں۔ وہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ کو مسترد کر سکتا ہے، صحیح نہیں۔

دفعہ ۱۰

مرکزی جمعیت اہل حدیث کا شورائی نظام انتخاب کے ذریعہ قائم ہو گا۔

ا۔ جسے عام اراکین جمعیت پہلے ابتدائی یا مقامی جمعیت قائم کریں گے۔

ب۔ مقامی **جمعیتیں** اپنے اپنے نمائندے منتخب کر کے ضلعی یا شہری **جمعیتیں** قائم کریں گی۔

ج۔ ضلعی یا شہری **جمعیتیں** اپنے اپنے نمائندے منتخب کر کے مغربی پاکستان کے لئے مرکزی جمعیت قائم کریں گی۔

تشریح: اسلام میں شورائی زندگی کی اہمیت تو معلوم ہو چکی، لیکن یہ مسئلہ محتاج تشریح ہے کہ

مجلس شوریٰ کس طرح قائم کی جائے ۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے ۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے :

ما رایت احدا اکثر مشورہ لاصحابہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ' ترمذی)

میں نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے رفقاء (اصحاب) سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

لیکن آپ نے مجلس شوریٰ کی تشکیل و ترتیب کے لئے خاص قاعدہ اور ضابطہ مقرر نہیں فرمایا ۔ کبھی آپ جمہور صحابہ سے مشورہ فرماتے ' جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ہوا ۔ کبھی خاص اہل الرائے اور مقتدر صحابہ کرام سے مشورہ طلب فرماتے جبکہ افشاء راز خلاف مصلحت سمجھا گیا ' جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر ہوا ۔

غرض آپؐ کی مجلس شوریٰ میں مقتدر صحابہ کرام جو اہل الرائے سمجھے جاتے تھے ' شریک ہوتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جاتا تھا کہ انصار کے دونوں قبائل اوس اور خزرج کے سردار مجلس شوریٰ میں ضرور شامل کئے جائیں ۔ اس طرح ایک ایسی مجلس شوریٰ قائم ہو جاتی تھی جس سے زیادہ نمائندہ مجلس کا قیام ان حالات میں ناممکن تھا ۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شورائی نظام کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت اس لئے بھی غالباً محسوس نہیں کی کہ فتح مکہ کے بعد عرب کے قبائل جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے اور آپؐ کو علم تھا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) کہ دین اسلام چار دانگ عالم میں پھیلے گا اور دنیا کی متمدن قومیں اسلام کے ظل عاطفت میں پناہ لیں گی ۔ پس وہ شورائی نظام جو عرب کے سادہ تمدن کے لئے موزوں ہو سکتا ہے ' وہ مختلف تمدن و تہذیب کی حامل قوموں کے لئے بھی موزوں ہو گا ' بے حد مشکل بلکہ قریباً ناممکن تھا ' اور یہ حقیقت بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ آپؐ کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تو ارباب حل وعقد

مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ہی زیادہ تر سکونت پذیر تھے لیکن جب اسلام کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئیں ' اس وقت کے لئے وہی شورائی نظام اگر آپ تجویز فرماتے جو عرب کے مختصر جزیرہ نما کے لئے تھا تو قطعاً ناقابل عمل ہوتا اور اہل علم سے یہ مخفی نہیں کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کا انتخاب مختلف طریقہ سے ہوا ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب جس طرح عمل میں آیا ' حضرت عمرؓ کا انتخاب اس سے بالکل مختلف تھا اور حضرت عثمانؓ کا انتخاب جس طرح ہوا ' وہ پہلے دونوں خلیفوں کے طریق انتخاب سے مختلف تھا۔

پس یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ امت کا اجتماعی اور شورائی نظام زمان اور مکان کے فرق اور احوال امت کے متبدل ہو جانے سے بدل سکتا ہے اور امت مجاز ہے کہ اپنے نمائندوں کے ذریعہ احوال و ظروف کے مطابق شورائی نظام کی جو شکل زیادہ اصح اور موزوں سمجھیں ' اختیار کریں ' بشرطیکہ وہ اس اصول کے منافی نہ ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور اس کا مقصد امت کے اجتماعی نظام کا زندہ رکھنا اور عدل و انصاف کا قائم کرنا اور مخلوق خدا کے لئے امن کی زندگی مہیا کرنا اور ان کی رفاہیت کے لئے موثر تدابیر اختیار کرنا ہو۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

" السیاسہ ما کان من الافعال بحیث یکون الناس معہ اقرب الی الصلاح وابعد عن الفساد وان لم یشرعہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولا نزل بہ وحی فان اردت بقولک لاسیاسہ لا ما وافق الشرع ای لم یخالف ما نطق بہ الشرع فصحیح وان اردت ما نفق بہ الشرع فغلط و تغلیط للصحابہ (اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ طبع ہند)

تمام وہ سیاسی تدابیر جن کی وجہ سے لوگ فساد و نقصان سے بچیں اور حیلاتی اصلاح کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں ' وہی سیاست شرعیہ ہے ۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کے لئے ارشاد نہ فرمایا ہو اور نہ اس بارہ میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو' یہ کہنا کہ "سیاست وہی صحیح ہے جو شریعت کے مطابق ہو" اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے مخالف نہ ہو' یہ تو صحیح ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی تدابیر وہی صحیح ہیں جن کے لئے نص صریح موجود ہو' تو یہ غلط ہے اور صحابہ کرام کے کارناموں کی بھی اس سے تردید ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے لوگوں میں حق وانصاف کے قیام کو چند تدبیروں اور تجویزوں میں محصور نہیں کردیا بلکہ اصل مقصد کو پیش نظر رکھا ہے اور وہ ہے "اقامہ الحق والعدل" اور قیام الناس بالقسط" پس جس طریق اور جس تدبیر سے یہ مقصد حاصل ہو سکے' اسی کو اختیار کیا جائے لیکن فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے جس قدر بھی طریقے اور وسائل ہو سکتے ہیں' ان سب کے لئے شریعت میں کسی نہ کسی شکل میں رہنمائی موجود ہے اور یہی معنی ہے شریعت کے کامل ہونے کے (خلاصہ اعلام)

خلفاء راشدین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کی عہد مبارک میں فتوحات کی رفتار اس قدر تیز اور ہمہ گیر تھی کہ حکومت کو اپنی ساری قوت' ساری توجہ اور مساعی کو فوجی استحکام اور اقل قلیل انتظامی کارکردگی تک محدود رکھنا پڑیں ۔ نہ مجلس شوری کی تشکیل و ترتیب کے لئے کوئی ایسا قاعدہ یا ضابطہ تجویز کیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امت اس کی پابند ہوتی اور نہ عام انتخابات کی ضرورت محسوس کی گئی بلکہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں مہاجرین و انصار کی مقتدر شخصیتیں جو ارباب حل و عقد سمجھی جاتی تھیں ۔ انہی پر مجلس شوری مشتمل ہوتی اور وہی مہاجرین وانصار خلیفہ کا انتخاب کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد مسعود میں البتہ مجلس شوری کی تفصیلات کچھ ملتی ہیں ۔ ان کو اساس قرار دے کر ہم تفصیلات طے کرسکتے ہیں مثلاً:

روزانہ مجلس شوری

مسجد نبوی میں روزانہ مجلس شوری منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے ۔ صوبہ جات اور اضلاع کی خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں ۔ حضرت عمرؓ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تو اس میں ان لوگوں سے مشورہ طلب فرماتے ۔

انتظامی مجلس شوری

جب کسی انتظامی معاملہ کے متعلق مشورہ مطلوب ہوتا تو مہاجرین و انصار کے سردار لازمی طور پر شریک مشورہ کئے جاتے ۔ اس مجلس شوری کے تمام ارکان کے نام تو نہیں معلوم ہو سکے البتہ کنز العمال سے یہ نام معلوم ہوتے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ ۔ حضرت علیؓ عبد الرحمٰن بن عوفؓ ۔ معاذ بن جبلؓ ۔ ابی بن کعبؓ ۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ طبع دکن)

عوامی مجلس شوری

جب کوئی بڑا اہم معاملہ پیش آتا تو حضرت عمرؓ مجلس شوری کا اجلاس عام طلب فرماتے ۔

اس میں تمام حاضر الوقت مہاجرین و انصار کو دعوت دی جاتی اور سب کے مشورہ سے زیر بحث مسئلہ کا فیصلہ کیا جاتا۔ جیسا کہ عراق و شام کے فتح ہونے کے بعد جب زمینوں کی تقسیم کا مسئلہ نزاعی صورت اختیار کر گیا تو حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام طلب فرمایا۔ اس میں تمام قدماء مہاجرین کو شریک کیا اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے ' ان میں پانچ سردار قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔ یہ سب شریک کئے گئے اور اچھی خاصی بحث کے بعد ایک فیصلہ کیا گیا (کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۲۴ تا ۲۷)

اسی طرح فوج کی تنخواہ ' دفاتر کی ترتیب ' عمال کا تقرر ' غیر قوموں کو تجارت کی آزادی دینا اور ان پر محصول کی تشخیص کرنا ' ایسے اہم معاملات مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے۔

انتخاب

حضرت عمرؓ نے صوبہ جات اور اضلاع کے حکام اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے ہیں اور بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریق رائج کیا۔ مثلاً کوفہ ' بصرہ اور شام میں جب عمال مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کو منتخب کر کے بھیجیں ' جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد ' بصرہ حجاج بن علاط ' اور شام سے معن بن یزید لوگوں نے منتخب کر کے بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے انہی لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کر دیا (کتاب الخراج صفحہ ۱۱۳)

آج جبکہ ہمارا معاشرہ اس وقت کے معاشرے سے مختلف ہے ' نہ قبائلی نظام موجود ہے '

نہ عہد نبوی ' نہ خلفاء راشدین کے عہد مبارک کے سے ارباب حل وعقد موجود ہیں۔ ہمارے پاس آج کوئی ذریعہ شوری عام کا بجز اس کے نہیں کہ ہم انتخابی ادارے قائم کریں اور ان کے منتخب افراد جمع ہو کر مرکزی مجلس شوری قائم کریں۔ حضرت عمرؓ نے افسران یا حکام صوبہ کے انتخاب کا اسوۂ حسنہ پیش کر کے ہمارے لئے رؤسا قوم یا نمائندگان قوم کے انتخاب کی بہترین راہنمائی کردی ہے۔ جزاہ اللہ عناو عن جمیع المسلمین خیرالجزاء۔

اعلان

میں معمولی معذور آدمی ہوں۔ نیس پاک میں بطور نائب قاصد ملازم ہوں۔ میری ماہوار آمدنی ر ۲۰۰۰ روپے ہے۔ ایسی لڑکی سے شادی کا خواہش مند ہوں جو نیک سیرت ہو۔ جہیز وغیرہ کا قطعا کوئی لالچ نہیں اور نہ ہی ذات پات کی قید ہے۔ بے شک لڑکی معمولی معذور ہو ۔ مکان اپنا ہے۔ خواہش مند حضرات اس پتہ پر رجوع کریں

ظفر عثمان ولد شاہ محمد' الیاس پارک عقب ہوہو فیکٹری' پکیو روڈ' کوٹ لکھپت' لاہور۔